مرقع دہلی: اسبابِ زوالِ دہلی کا چشم دید بیانیہ

رضیہ مجید، لیکچرر، شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Murraqa-e-Dehli is a brief narrative of Mughal Capital in the rein of Muhammad Shah (Rangeela). The author of this book, Nawab Dargah Quli Khan belonged to a persian family who migrated to India in Shah Jahan's times. The family was attached to the royal court in Iran and later in India. In 1724, Dargah Quli Khan joined the services of Nawab Asaf Jah I (Autonomous Mughal Governor of Dekkan) and became a part of the Mughal Government. Dargah Quli Khan was a part of retinue of Nawab Asaf Jah I when he travelled to Delhi in 1738. They remained in Delhi for four years. In *Murraqa-e-Dehli*, Dargah Quli Khan has penned short notes on the places of historical importance in Delhi and the lives of prominent personalities, like saints, poets, musicians, singers and dancers.

اورنگ زیب عالم گیر (عہد حکومت ۱۶۵۸ء۔۱۷۰۷ء) کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب کی حامل تحریروں کو بہ کثرت دیکھا جا سکتا ہے۔ زوال کے محرکات کی پیش کش کی حامل ان تحریروں میں ایک قسم ان عہدے داران اور مشاہیر کی یاداشتوں اور روزنامچوں پر مشتمل ہے جنھوں نے اس عہد کی بدعنوانیوں اور بد عمالیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور انھیں احاطہ قلم میں لا کر بعد میں آنے والوں کے لیے اس دور کی تاریخ کا ایک مستند ماخذ چھوڑ گئے۔ خانِ دوراں نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں سالار جنگ (۱۷۱۰ء۔۱۷۶۶ء) کی فارسی تصنیف مرقع دہلی اسی زمرے میں آتی ہے جو محمد شاہ کے عہد (۱۷۱۹ء۔۱۷۴۸ء) کی دہلی کی معاشرت کے کئی پہلوؤں کی واضح نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ادبی دستاویز بھی ہے۔

نواب درگاہ قلی خان دکن کے شہر اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے جداعلیٰ خاندان قلی خاں نے ۲۷ دسمبر ۱۶۳۰ء میں مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے عہد (۱۶۲۸ء۔۱۶۵۸) میں مشہد (ایران) سے ہجرت کر کے ہندوستان میں سکونت اختیار کی۔ نواب درگاہ قلی خاں چودہ سال کی عمر میں ۱۷۲۴ء میں دکن کے خود مختار گورنر نواب نظام الملک

آصف جاہ (عہد حکومت: ۱۷۲۴ء۔۱۷۴۸ء) کے دربار سے منسلک ہوئے (۱) اور ۱۷۶۵ء تک سرکاری خدمات انجام دیتے رہے۔ نواب آصف جاہ نے ۱۷۳۸ء میں دہلی کی طرف سفر کیا تو درگاہ قلی خان بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ سفر جون ۱۷۳۸ء سے جولائی ۱۷۴۱ء تک تھا۔ قیام دہلی کے دوران نواب درگاہ قلی خان نے نادر شاہ (۱۶۸۸ء۔۱۷۴۷ء) کے دہلی پر حملے (۱۷۳۹ء) کے نتیجے میں ہونے والی تباہی کو بھی دیکھا۔ اُنھوں نے اسی تاریخی سفرِ دہلی کی یادداشتیں مرقع دہلی میں تحریر کی ہیں۔

مرقع دہلی فارسی زبان میں لکھی گئی۔ اس کتاب میں اس عہد کی دلی کے مشائخ، علما، امرا، شعرا، اربابِ نشاط اور شہریوں کا تذکرہ ہے۔ گویا یہ اٹھارویں صدی عیسوی کی دلی کی سماجی اور تہذیبی زندگی کا اہم ترین ماخذ ہے۔ یہ تصنیف اس لیے بھی اہم ہے کہ اس میں جو معلومات فراہم کی گئیں ہیں وہ کہیں اور نہیں ملتیں۔ (۲) اس کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کے کئی اڈیشن شائع ہوئے جب کہ اُردو اور انگریزی زبان میں تراجم بھی منظرِ عام پر آئے۔ مرقع دہلی (فارسی متن) ۱۹۲۶ء میں حکیم سید مظفر حسین کے تاج پریس حیدر آباد دکن سے شائع ہونے والے اڈیشن سے پہلی بار منظرِ عام پر آئی جب کہ حکیم سید مظفر حسین کے تاریخی اسناد اور تصاویر سے مزین طویل مقدمے میں نواب درگاہ قلی خان اور ان کے خاندان کے مفصل اور مستند حالات قاری تک پہنچے۔ اب تک دستیاب مخطوطوں پر اس تصنیف کا نام مرقوم نہیں۔ حکیم مظفر حسین نے اس تصنیف کو مرقع دہلی کا خوب صورت نام دیا۔ (۳) ۱۹۳۳ء میں خواجہ حسن نظامی نے حکیم سید مظفر حسین کے فارسی متن کی اُردو تلخیص مع حواشی آج سے دو سو برس پہلے نادر شاہی قتل عام کے وقت کی **پرانی دہلی کے حالات** کے عنوان سے کی۔ خواجہ حسن نظامی نے مرقع دہلی کے ملخص ترجمے میں جابجا اپنے عہد کی دلی کے مرقع محفوظ کر کے نواب درگاہ قلی خان کی دلی سے ختم ہونے والی یا برقرار رہنے والی اشیا، روایات اور طور طریقوں کی تفصیلات فراہم کر دی ہیں۔ اس طرح زمانہ حال میں دہلی کا مشاہدہ کرنے والے قاری کے پیشِ نظر ماضی بعید، ماضی اور حال کی تین صورتیں رہتی ہیں۔ مزید یہ کہ خواجہ صاحب کے فحش عناصر کو حذف کر دینے سے ہندوستان کی مسلم روایات کا یہ پہلو بھی قاری کے سامنے آ جاتا ہے کہ مغل عہد کی دلی کی عیاشیوں کو مابعد عہدِ مغلیہ معیوب سمجھا جانے لگا۔ یہی پہلو ایک نوزائیدہ مسلم مملکت کی مذہبی اساس کا ایک اہم سبب بنا۔ مرقع دہلی کا یہ تنقیدی اڈیشن اُردو ترجمے کے ساتھ شعبہ اُردو، دلی یونیورسٹی سے شائع ہوا۔ اس سے پہلے یہ کتاب خواجہ حسن نظامی کے روزنامچے میں قسط وار چھپ چکی تھی۔ ۱۹۴۹ء میں محبوب المطابع برقی پریس، دہلی سے اسے دوسری بار شائع کیا گیا۔ ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی کا شگفتہ اور سلیس اُردو ترجمہ مع فارسی متن مکتبہ ایلفا براوو، لاہور سے شائع ہوا۔ ۱۹۸۹ء میں پہلی بار ڈپٹی پبلی کیشنز دہلی (Deputy Publicaion, Delhi) سے مرقع دہلی کا انگریزی ترجمہ *Muraqqa-e-Dehli:The Mughal Capital in Muhammad Shah's Times* کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔ مترجمین میں ڈاکٹر چندر شیکھر (Chander Sheichar) اور شاما مترا چنائے (Shama Mitra Chenoy)

شامل ہیں۔ اس انگریزی اڈیشن کا مستند مقدمہ، حواشی، دہلی کے نقشے، اس کی عمارات کے خاکے اور پروفیسر نورالحسن کا تحریر کردہ پیش لفظ انگریزی دان طبقے کے لیے خاصے کی چیزیں ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں انجمن ترقی اُردو (ہند)، نئی دہلی نے ڈاکٹر خلیق انجم کا مرتبہ ومترجمہ مرقع دہلی کا تنقیدی اڈیشن فارسی متن کے ساتھ شائع کیا۔

برِعظیم کے مسلمانوں کے لیے مغلیہ سلطنت مسلم اقتدار کی علامت تھی۔ اس امر کے باوجود امورِ سلطنت و معاشرت میں دینِ اِسلام کی روح کا عمل دخل ناپید ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت میں دین سے روگردانی اور بے حیائی کا دور دورہ تھا۔ عبادات میں قبر پرستی، منفی تصوف اور کھیل تماشوں نے رواج پا لیا تھا جب کہ معاشرت میں امرد پرستی اور شاہد بازی زر کامل عیار ٹھہرے۔ مزید یہ کہ اس بے راہ روی پر فخر کیا جانے لگا اور اسے اشرافیہ کی معاشرت کا جزوِ اعظم تصور کر لیا گیا۔ افرادِ معاشرہ کی بیشتر توانائیاں انھیں بے ہودہ اور لغو کاموں کی نذر ہونے لگیں۔ اعلیٰ شخصی خوبیوں کی بجائے زرق برق لباس اور متمول رہن سہن کو ترجیح دی جانے لگی۔ جب کسی معاشرے کی ترجیحات یہ ہوں تو زوال کی تکمیل یقینی ہو جاتی ہے۔ خلیق انجم مرقع دہلی کے مقدمے میں مغلیہ سلطنت کی اسی زبوں حالی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دورِ زوال میں مغل حکومت کی حالت ایک ایسے مریض کی تھی جو جاں کنی کے عالم میں ہو مگر جسے موت نہ آتی ہو۔ یہ تکلیف بادشاہ۔ امرا اور عوام تک سب ہی کی زندگی کو اجیرن بنائے ہوئے تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی گردن پر ایک ننگی تلوار لٹکی ہوئی ہے جو کسی وقت بھی ان کے سر کو جسم سے علیحدہ کر سکتی ہے۔ جاگیر دار طبقہ کے دست و بازو شل ہو چکے تھے۔ اس لیے سماج کے تمام افراد کے سامنے ایک ہی راستہ تھا اور وہ تھا 'فرارِ زندگی اور اس کے تلخ حقائق سے فرار۔۔۔ مادی مشکلات میں جنسی آسودگی کچھ دیر کے لیے انسان کو سب کچھ فراموش کرا دیتی ہے۔ جب مغل بادشاہ حالات کی تاب نہ لا سکے تو اُنھوں نے خود کو غرقِ مئے ناب کر دیا۔'' (۴)

درج بالا حالات ہندوستان کی اقتصادی زبوں حالی کا بھی پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ غریب کے لہو سے کشید کی ہوئی دولت کو امرا اور سلطنت کے عہدے داران عیاشیوں کی نذر کر کے مسلم حکومت کے زوال کے تابوت میں آخری کیلیں لگا رہے تھے۔ تاریخ کے اس دور میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ جیسے عظیم مصلح زوال کے اس پہلو کی نشان دہی اپنی تحریروں میں کر رہے تھے مگر ان کی کوششیں فوری طور پر بار آور نہ ہو سکیں۔ ان حالات میں معاشرتی انتشار اور اخلاقی زوال کی رفتار تیز تر ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ محمد شاہ کے عہد میں بادشاہ نے خود کو 'رنگیلا' کہلوانا پسند کیا۔ اس رنگیلے بادشاہ کی دلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے، نواب درگاہ قلی خاں نے مرقع دہلی میں سو عنوانات کے تحت مشاہیر کی روداد، درگاہوں کی حالت، امرا کی محافل، بازاروں کی رونق، امرد اور طوائفوں کے حالات بیان کیے ہیں، جو عبرت کے سامان لیے ہوئے ہیں۔ مصنف کا منفرد طرزِ تحریر ان حالات کی پُر تاثیر ترجمانی کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوا۔ خواجہ حسن نظامی کے خیال میں مصنف نے اس کتاب کو اس طریق سے لکھا ہے جو بیسویں صدی کے

نصف اوّل تک تو عام طور پر مروّج تھا مگر نواب درگاہ قلی خاں کے زمانے میں اس طرز تحریر کا رواج نہ تھا۔ نواب درگاہ قلی خان نے نادر شاہی قتلِ عام کے فوراً بعد یہ کتاب لکھی۔ ان کا آصف جاہ اوّل کے ساتھ سنہری مسجد چاندنی چوک دہلی میں نادر شاہ کے پاس قتلِ عام بند کرانے لیے جانے (۵) سے ان کے عملی طور پر اس سانحے سے منسلک ہونے کا علم ہوتا ہے جب کہ مرقع دہلی میں اس بڑے واقعے کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف ایک جگہ کمال بائی کی اپنے فن میں مہارت کو اجاگر کرنے کے لیے نادر شاہی قتل و غارت گری کا ذکر سرسری طور پر تحریر کا حصہ بنا ہے۔ (۶) اس ضمن میں خلیق انجم اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''نواب صاحب نے اس سماج کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے لیکن نادر شاہ کے حملے اور اس کے اثرات کا ذکر غالباً اس لیے نہیں کیا کہ وہ بہت دردناک تھا۔'' (۷)

جب کہ خواجہ حسن نظامی کے خیال میں نواب درگاہ قلی خاں نے غالباً سیاسی مصلحت کے تحت نادر شاہ کی لوٹ مار کے واقعات کی تفصیل نہیں لکھی۔ پھر اہلِ ہند خصوصاً اہلِ دہلی کے رویوں پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

> ''لیکن غور طلب یہ معاملہ ہے کہ اتنے بڑے تاریخی قتلِ عام کے بعد جس میں تین لاکھ دہلی والے قتل ہو گئے تھے دہلی کی عیاشیاں اور بداعمالیاں کم نہ ہوئیں تھیں اور یہ محض دہلی کی خصوصیت ہے۔ چنانچہ غدر ۱۸۵۷ء میں بھی گولہ باری کے باوجود دہلی کے باشندوں نے عیش و تفریح کو نہیں چھوڑا تھا۔'' (۸)

گویا اس معاشرے کے عمومی رویے کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ دراصل یہ مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا زوال ہی تھا جس نے درگاہ قلی خاں کو نادر شاہی لوٹ و قتل و غارت گری کے واقعات لکھنے سے باز رکھا۔ اپنی عمومی نااہلی کے سبب اہل ہند کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے سنگین حالات سے انجان بنے رہنے ہی میں اپنی عافیت جانتے تھے۔ خوشی اس معاشرے کا مدعا تھی اگرچہ عارضی ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اس سماج کے لوگ اس طرح کے دردناک واقعات کو عمداً ذہن سے محو کرنا چاہتے تھے۔ یہ طرز فکر اور طرز زندگی زوال آمادہ سلطنتِ مغلیہ کا خاصہ رہا ہے۔ فاضل مصنف نے بھی اپنے عہد کی دلی اور گردونواح کی اہم شخصیات میں علما، فضلا و حکما کو اپنی تحریر میں وہ جگہ نہ دی جو پیرومرشد، قوال، مغنی، سازندوں، نقالوں، مرثیہ خواں، امردوں اور طوائفوں کو دی ہے۔ امرد پرستی اور شاہد بازی کے ضمن میں مصنف درگاہ قلی خان کی دل چسپی پر خواجہ حسن نظامی کو بھی تشویش ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''غور طلب بات ہے کہ مصنف صاحب ہر شخص کے تذکرے میں خوش جمال لڑکوں کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ خود بھی سادہ رخوں کے دل دادہ تھے اور یا اُس زمانے میں ساری دہلی اس بلا میں مبتلا تھی۔'' (۹)

ناگل کی کیفیت کا ذکر کرتے وقت نواب درگاہ قلی خاں کا یہ لکھنا، ''غرض خوشی و شادمانی کا خوب سامان ہوتا ہے اور کئی چیزیں اختراع کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام دوستوں اور احباب کے نصیب کر۔'' (۱۰) زینت بائی کے بیان میں یہ

لکھنا، ''اس کی محبت میسر آنے کا امکان کم ہے، کاش کہیں سے کوئی راہ پیدا ہو جاتی۔'' (۱۱) اس بات کا غماض ہے کہ نواب درگاہ قلی خاں خود بھی ان محافل کے دلدادہ تھے۔ اسی سبب ان کی اس تصنیف میں دلی کی اس غیر اخلاقی حالت کو زیادہ پذیرائی ملی۔ زیرِ بحث تصنیف سے ان خرافات کی دل چسپ امثال اور خواجہ حسن نظامی کے بیان کردہ حقائق اور تبصرے قاری کے لیے عبرت کا سامان لیے ہوئے ہیں۔ خلد منزل قطب الدین محمد معظم شاہ عالم مخاطب بہ بہادر شاہ (۱۶۴۳ء۔۱۷۱۲ء) کی قبر درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (متوفی: ۱۲۳۷ء) کے قرب میں ہے۔ اس پاکیزہ مقام پر ان کے عرس میں ظہور پذیر ہونے والے نامناسب حالات کے بیان میں درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:

> ''عشرت کرنے والے اپنے محبوبوں کے ساتھ ہر گوشہ و کنار میں دست در بغل، اور ہر کوچہ و بازار میں عیاش لوگ نفسانی خواہشات کے ہول میں رقص کناں، مے خوار محتسب کے خوف سے بے پرواسیہ مستی کی تلاش میں اور شہوت کے طالب لوگ کسی مزاحمت کے واہمہ سے بے نیاز شاہد پرستی میں سرگرم۔ زاہدوں کی توبہ تڑوانے والے نوخیز لونڈوں کا ہجوم اور ہرن کی سی آنکھوں والے حسین لڑکے بے مثال عشق کی وجہ سے صلاح اور راستی گفتار کی بنیاد کو درہم برہم کرنے والے۔ جہاں تک نگاہ پرواز کرتی ہے کسی نہ کسی چہرے پر مائل ہوتی ہے اور جب تک آنکھ کھلے وہ کسی نہ کسی گیسو کے فتراک میں پھنس جاتی ہے۔ اس کا نواح کچھ اس ڈھنگ کا کہ فاسقوں کی ایک دنیا اپنی دلی آرزو پاتی ہے اور خباثت کے سامان اس حد تک کہ فاجر لوگوں کی کثرت فائدہ اُٹھاتی ہے۔ جب تک کوئی اپنے حال کی خبر لے کوئی نہ کوئی لونڈا چشمک زنی کر دیتا ہے اور جب تک آنکھ چراغ روشن کرے کوئی عورت پیام بھیج دیتی ہے۔'' (۱۲)

خلد منزل کے عرس کے ذکر کے بعد خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

> ''افسوس ہے کہ نادر شاہ کی لُوٹ اور قتلِ عام کے بعد بھی دہلی والوں کی سیہ کاریاں کم نہ ہوئیں تھیں اور وہ ایسے متبرک مقام پر جمع ہو کر یہ حرکتیں کرتے تھے اور اب بھی پھول والوں کی سیر میں ایسی ہی سیہ کاریاں وہاں ہوتی ہیں۔'' (۱۳)

میر مشرف جیسے شریف النفس انسان کے بیٹے میر کلو کی مصروفیات کے بارے میں نواب درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:

> ''۔۔۔شاہی دربار کے تمام اکابر اور اربابِ نشاط کو مدعو کر کے صلائے عام دیتا ہے۔ چوں کہ وہ خود بھی جوان ہے اس لیے تمام رنگین مزاج امیر زادے اس کا دل رکھنے کی خاطر عیش و عشرت کا پورا ساز و سامان لے کر وہاں آتے اور حسینائیں بھی ساتھ لاتے ہیں۔ ہر درخت کے نیچے، ہر نہال کے زیرِ سایہ اور ہر چمن کے گوشہ و کنار میں تر و تازہ پھولوں کی مانند رنگا رنگ خیمے نصب کیے جاتے ہیں اور جُرعہ نوشی کا سامان ہوتا ہے۔ ساری ساری رات ہر جگہ رقص کی محفل جمتی اور ہر طرف سرور کے ساتھ رنگا رنگ کھانوں کا اہتمام ہوتا ہے۔۔۔ نفسانی مرغوبات اور لذات میں سے جس چیز کی بھی

آرزو کرو سب کچھ مہیا ہے لیکن اس کے لیے پیسا اور واقفیت درکار ہے۔'' (۱۴)

جائے عبرت ہے کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی اس جگہ کی رونقیں بھی قصۂ پارینہ ہوئیں۔ خواجہ حسن نظامی کو اس مقام کی ویرانی نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا:

''۔۔۔ یہ جگہ بالکل ویران ہے اور جہاں ایسی خرافات ہوتی ہوں اس کو ویران ہی ہو جانا چاہیے۔'' (۱۵)

خان دوراں نے چوک سعد اللہ خان کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے اس زمانے کی زر پرستی کی تصویر بھی ہمارے سامنے رکھ دی ہے۔ خوش رولونڈوں کا رقص ہو یا قصہ گویوں کا شور، اہل طمع کا وعظ ہو یا ستارہ شناسوں اور رمالوں کی فن کاری، خوش بیانی سے رقم اینٹھنے والے حکیموں کی صدائیں ہو یا نقالوں اور شراب فروشوں کی آوازیں، نوخیز امردوں کی پُر نگاہی ہو یا وحوش وطیور فروشوں کی چرب زبانی، ہر فن کا 'ماہر' اپنے فن کا مظاہرہ کئے 'احمقوں' کو جُل دے رہا تھا۔ ان متاثرین میں سادہ دیہاتی لوگوں سے لے کر بڑے بڑے امرا سبھی شامل تھے۔ (۱۶) ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں اردگرد کے تمام محلے مسمار کر دینے کی وجہ سے چوک سعد اللہ کا نام ونشان مٹ گیا (۱۷) اور اس چوک سے متعلق پیشے بھی ناپید ہو گئے مگر بقول خواجہ حسن نظامی:

''تقریر کرنے والے حکیم اب بھی دہلی کے چوک اور جامع مسجد کے قریب نظر آتے ہیں اور اب بھی اس قسم کے شرمناک امراض کی نسبت ان کی تقریریں ہوتی ہیں اور ایسے فحش الفاظ میں وہ امراض کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ کوئی سنجیدہ مزاج آدمی وہاں کھڑا نہیں ہوتا۔'' (۱۸)

میرزا منوں نے تو اپنی سرگرمیوں کے سبب فحاشی کے ضمن میں استاد کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ اس کی کارگزاریوں کے بیان میں نواب درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:

''اس دور کے امیر زادوں میں سے اور سحر کاریوں (امرد پرستی وغیرہ) کے اس فن میں یگانہ روزگار ہے۔ اکثر امیر زادے اس علم کے اہم احکام اس سے سیکھتے اور اس کی شاگردی پر فخر کرتے ہیں۔ وہ اس محفل کا شیرازہ اور اس ہم صورت بزمِ غلماں کی تنظیم وانتظام کا باعث ہے۔ اس کا گھر بہشتِ شدّاد ہے اور اس کا شانہ پری زادوں کا مجمع۔ جو بھی رنگین نوخیز چھوکرا اس کی محفل سے متعلق نہیں ہے وہ بیکارِ محض اور جو بھی نمکین لونڈا اس کے مجمع سے وابستہ نہیں ہے وہ ساکھ کے زیور سے محروم ہے۔ اس کی مجلس حسینوں کا دار العیار ہے اور اس کی بزم گل رخوں کی آزمائش کی کسوٹی ہے۔ جب تک حسن کے ریزہ کی نقدی اس کی بزم کی ٹکسال کی طرف رجوع نہیں کرتی، کامل عیار قرار نہیں پاتی، بے شک وہ خالص سونے ہی کی مانند کیوں نہ ہو۔ اسی طرح جمال کی چاندی جب تک اس مجمع کی کٹھالی میں سے گذر نہیں جاتی، چاندی نہیں کہلاتی بے شک وہ نقرۂ خالص کہلاتی پھرے۔'' (۱۹)

کسل پورہ جو کہ فسق و فجور کا گڑھ ہے اور اسے اپنے وقت کے بازارِ حسن ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ اس کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

> ''کسل سنگھ شاہی ہزاری امرا میں سے ہے۔ ثروت و دولت کے لحاظ سے اپنے معاصرین اور اقران و امثال میں صاحب افتخار و شوکت ہے۔ اس نے بڑے ہی پُر تکلف انداز میں ایک پورہ (بستی) آباد کیا ہے جس میں ہر قسم کی بازاری طوائفیں اور فواحش، کہ مال زادیاں (کٹنیاں) ہیں وہاں مہیا کی گئیں ہیں، نیز ان کی پشت پناہی میں اس نے اربابِ عیش و نشاط اور حرام کاریوں کے دل دادہ احباب کو جگہ دے رکھی ہے۔ کثرتِ جمعیت کے سبب محتسب کی ہمت نہیں کہ اس بستی کے قریب سے گزر سکے۔ یہاں اس کی قوت احتساب بھی جواب دے جاتی ہے۔(۲۰)

اس مقام عبرت فراموش کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

> ''یہاں کی ہوا شہوت آمیز اور فضا باہ انگیز ہے؛ خاص طور پر شام کے قریب تو طرفہ بھیڑ ہوتی ہے اور عجیب ہنگامہ برپا ہوتا ہے۔ ہر مکان میں رقص ہوتا ہے اور ہر جگہ گانا بجانا جاری ہے۔ اہلِ فسق و فجور کسی مخالفت اور مزاحمت کے بغیر اس بستی کی طرف نکل جاتے اور دامنِ شہوت کو آتشک و سوزاک کی گل چینی سے بھر لیتے ہیں اور کچھ عرصہ خمیازہ بھگت کر پھر سے مشغول ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ ایک طرفہ کارگاہ اور ایک عجیب تماشا گاہ ہے۔''(۲۱)

خواجہ بسنت اسد خانی کے محل سے متصل صاف ستھرے اور روشن احاطے میں ناگل نام کے ایک صاحب کمال دفن ہیں، جن کے مزار پر صبح سے شام تک ہونے والی سرگرمیاں اس عہد کی دلی کی عمومی بے راہ روی اور مادر پدر آزادی کی بدترین مثال ہیں۔ نواب درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:

> ''ہر ماہ کی سات تاریخ کو دہلی کی عاشق مزاج عورتیں خوب بن سنور کر وہاں 'زیارت' کے لیے جوق در جوق آتی ہیں اور سامان مسرت کرتی ہیں، جب کہ درحقیقت ان کا مقصد کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ ان اشخاص کے ساتھ مل کر جوان عورتوں سے وابستہ ہوتے ہیں، خوب رنگ رلیاں مناتی ہیں۔ بہت سے اہلِ تجرید اور اجنبی قسم کے لوگ اس گروہ کے قبول و انتخاب کی امید میں خود کو گل ہائے چمن کی صورت تر و تازہ و حسین بنا کر اس جلوہ گاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔۔۔ ایسی جگہ کی جو خصوصیات بتائی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی اجنبی اس نذہت کدہ میں داخل ہو تو اسے فوراً ساتھن مل جاتی ہے۔''(۲۲)

مغنی، امرد اور طوائفیں بازاروں کی بھی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ان کی ادائیں گھروں کی بربادی کا باعث ہیں۔ ان کے ہنر میں وہ لذت ہے کہ لوگ خریدنے کی ضروری چیزوں کو چھوڑ کر تفریح کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اور اپنی

پونجی ان ہنرمندوں پر لُٹا کر گھاٹا کھاتے ہوئے گھروں کو جاتے ہیں۔ یہ تباہی کیوں نہ ہو؟ جب ہنر کی یہ کیفیت ہو:

> ''بیگم دہلی میں مشہور و معروف ہے۔ کہتے ہیں کہ پاجامہ نہیں پہنتی اور بدن کے نچلے حصّے کو نقاش کے قلم کی رنگ آمیزیوں سے پاجامے کی کاٹ کے مطابق رنگین کر لیتی ہے۔ کم خواب کے بند رومی تھان میں چھپے گل و برگ سے ذرا بھی مختلف نہ ہونے دیتے ہوئے قلم سے بنا لیتی ہے۔۔۔ پاجامے اور اس کے رنگ میں ذرا بھی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک پردہ خود نہ اُٹھائے کسی کا فہم بھی اس صنعت کو سمجھ نہیں پاتا۔ چوں کہ ندرت اور اچنبھے سے خالی نہیں ہے اس لیے دلوں کو اس کی یہ ادا مرغوب ہے۔'' (۲۳)

اعظم خان جو فدوی خاں کا بیٹا، خان جہان بہادر عالم گیری کا بھانجا اور عظیم الشان امرا میں سے تھا، کے ذکر میں نواب درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:

> ''اپنی رنگین مزاجی اور راگ میں مہارت کے سبب برصغیر کے مطربوں کا ممدوح ہے۔ امرد پسند طبع کا مالک اور مزاجاً سادہ رویوں پر مرتا ہے۔ اس کی جاگیروں کی آمدنی انہی اللوں تللوں اور اس گروہ پر اُٹھتی ہے اور اس کے روزگار کا ماحصل (جو کچھ حاصل ہو) اس طبقہ کی خاطر تواضع پر صرف ہو جاتا ہے۔ جہاں کہیں سے بھی اسے رنگین لونڈے کی خبر ملتی ہے اپنے حسب خواہش اسے اپنے دامِ رفاقت میں پھانس لیتا، اور جس طرف سے بھی اسے سادہ رُو کا پیام ملتا ہے، اسے احسان کے جال میں کھینچ لیتا ہے۔ اس گروہ کے بہت سے لوگ (لونڈے) اس کی مناسب کوششوں سے اچھے منصب پر فائز ہو کر اس کے انیس بنے ہیں۔ بعض نے اس کی خانگی مراعات ہی پر اکتفا کر کے اس کی محفلِ نشاط کو رونق بخشی ہے۔۔۔ مختصر یہ کہ جہاں کہیں بھی کوئی سبزہ رنگ (سانولا سلونا، سانوالی سلونی) نظر آتی ہے اسے اعظم خان سے نسبت ہے اور جہاں کہیں کوئی نوخط جلوہ افروز ہے وہ اس عظیم الشان کے وابستگان میں سے ہے وہ ان گُل رخوں کے خال کے پرتو سے اپنے بڑھاپے کی صبح کو خضاب کرتا ہے اور زمانے کی کم فرصتی کے خیال سے فرصتِ حیات کو نفسانی لذتوں کے حصول میں تیزی سے صرف کر رہا ہے۔'' (۲۴)

اعظم خان جیسے لوگوں کے کردار کو برصغیر میں مسلم سلطنت کے زوال کے اسباب کے تناظر میں دیکھتے ہوئے خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

> ''اعظم خاں جیسے لوگوں نے قوم و ملک کی حکومت بھی برباد کی اور خود بھی ایسے نابود ہوئے کہ کوئی ان کی قبر کا نشان بھی نہیں جانتا اور نہ ان خوب صورت عورتوں اور خوش جمال لڑکوں کا کہیں نام و نشان باقی ہے۔ فانظر کیف کان عاقبة الزنا واللواطه (دیکھو زنا اور لواطہ کا کیسا برا انجام ہوا۔)'' (۲۵)

اعظم خان کے بعد میاں منو کے حالات پڑھ کر تو خواجہ حسن نظامی، نواب درگاہ قلی خاں کے بیان کردہ چشم دید حالات پر ہی بے یقینی کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ اس وقت کے مسلمانوں کی اخلاقی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''الٰہی تیری پناہ۔ اعظم خاں کے بعد میاں منو کا حال پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو سو برس پہلے دہلی میں جو تھا وہ گویا اُردو زبان کے اس مقولے کا مصداق تھا کہ 'لنکا میں جو ہے وہ باون گز کا ہے۔'' نواب صاحب نے اپنے چشم دید حالات لکھے ہیں اس لئے انکار کرنا تو مشکل ہے تاہم یہ شک کیا جا سکتا ہے کہ نواب صاحب نے ممکن ہے شاعرانہ مبالغے سے کام لیا ہو۔'' (۲۶)

مگر پھر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں:

> ''جب بادشاہ رنگیلے پیا مشہور تھے تو ان کے وزیر اور امیر اور عام و خاص اور رعایا کے افراد جس قدر رنگین مزاج ہوں کم ہے۔ بادشاہوں کا اثر رعایا پر ہر جگہ پڑتا ہے۔'' (۲۷)

گویا اس عہد کے ہندوستان کے پایہ تخت دلی کی اخلاقی پستی دیدنی تھی۔ صرف وضع داری اور ظاہر پرستی کو اخلاق کا نام دے رکھا تھا۔ مسلم معاشرے میں ایسی عادات و روایات رواج پا گئی تھیں جن سے افراد معاشرہ کے مزاج میں عمومی طور پر ابتذال اور لادینی کے عناصر جگہ پا گئے تھے۔ ڈراموں کا نام دین رکھ دیا گیا تھا جب کہ اہلِ دلی دین کی روح سے بے بہرہ تھے۔ شاہد پرستی کے اس قدر دل دادہ تھے کہ آزادانہ طرب و نشاط کی محافل کا انعقاد ہو رہا تھا۔ ساز و نغمہ کے اس قدر شوقین کہ اندھے اور بے ساز بھی اپنی دھن میں پیٹ کو ڈھولک بنائے اس ہنر سے بجا رہے ہیں کہ طوائفیں اس سازِ شکم کے ساتھ رقص کناں ہیں۔ (۲۸) ان حالات میں ہندوستان کی مسلم سلطنت کا زوال یقینی تھا۔ زوال کے اسباب پر روشنی ڈالنے کے سبب خواجہ حسن نظامی مرقع دہلی کی اہمیت کے معترف ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''۔۔۔ نواب صاحب کا یہ تذکرہ اس قابل ہے کہ مسلمانوں کی مرحوم تہذیب کا مرقع سمجھ کر ہر مسلمان اپنے پاس رکھے اور جب ہنستے ہنستے جی بھر جائے تو اس کو دیکھ کر اپنی فنا شدہ بزم کو یاد کر کے دو آنسو بہا لیا کرے۔'' (۲۹)

کم و بیش یہی اخلاقی کیفیت اور بے راہ روی آج بھی مسلم معاشروں کا خاصہ ہے۔ آج بھی فحاشی کا مقام افضل تر ہوتا جا رہا ہے۔ آج بھی چشم و گوش کی تسکین ہمیں عزیز تر ہے۔ آج بھی کاذب، خائن اور لوٹ مچانے والے کی میٹھی زبان اخلاق کہلا رہی ہے۔ باتوں کے دھنی اہم ہو گئے ہیں اور صلاحیت بے بس ہو کر اپنے بے کار قرار دیے جانے پر حیراں و ششدر نوحہ کناں ہے۔ آج بھی بزرگ اور عہدے داران خوشامد بھرے سلاموں کی خاطر ملک کی ترقی کو داؤ پر لگائے، آئندہ آنے والی نسلوں کے نقصانات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی انا کی تسکین میں مشغول ہیں۔ آج بھی مسلم معاشروں کی بُنت میں دین صرف برائے نام ہی شامل ہے۔ آج بھی دین کے اتنے شیڈ متعارف کرا دیے گئے ہیں کہ عقلِ انسانی قرطاسِ ہستی کے بھول بھلیاں میں گم ہے۔ ان حالات میں مرقع دہلی اور اس قبیل کی دیگر تصانیف سے نئی نسل کی آگاہی امر لازم معلوم ہوتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ اسد علی خاں تمنا اورنگ آبادی، گل عجائب، (اورنگ آباد دکن: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۳۶ء) ص ۵۰
۲۔ خلیق انجم (مرتب و مترجم)، مرقع دہلی (نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو (ہند)، ۱۹۹۳ء) ص ۴۶
۳۔ ایضاً، ص ۹
۴۔ ایضاً، ص ۲۱
۵۔ خواجہ حسن نظامی (مترجم)، پرانی دہلی کے حالات (ترجمہ و تلخیص مرقع دہلی)، (دہلی: محبوب المطابع برقی پریس، ۱۹۴۹ء) ص ۳، ۴، ۵
۶۔ خواجہ عبدالحمید یزدانی (مترجم و مرتب)، مرقع دہلی، (لاہور: الفابراوو، ۱۹۸۸ء) ص ۹۸
۷۔ خلیق انجم (مرتب و مترجم)، مرقع دہلی، ص ۲۲، ۲۳
۸۔ خواجہ حسن نظامی (مترجم)، پرانی دہلی کے حالات، ص ۵، ۶
۹۔ ایضاً، ص ۳۸
۱۰۔ خواجہ عبدالحمید یزدانی (مترجم و مرتب)، مرقع دہلی، ص ۵۰
۱۱۔ ایضاً، ص ۹۵
۱۲۔ ایضاً، ص ۲۰، ۲۱
۱۳۔ خواجہ حسن نظامی (مترجم)، پرانی دہلی کے حالات، ص ۱۸
۱۴۔ خواجہ عبدالحمید یزدانی (مترجم و مرتب)، مرقع دہلی، ص ۲۲، ۲۳
۱۵۔ خواجہ حسن نظامی (مترجم)، پرانی دہلی کے حالات، ص ۲۰
۱۶۔ خواجہ عبدالحمید یزدانی (مترجم و مرتب)، مرقع دہلی، ص ۲۳، ۲۴، ۲۵
۱۷۔ خواجہ حسن نظامی (مترجم)، پرانی دہلی کے حالات، ص ۲۴
۱۸۔ ایضاً
۱۹۔ خواجہ عبدالحمید یزدانی (مترجم و مرتب)، مرقع دہلی، ص ۳۸
۲۰۔ ایضاً، ص ۴۹
۲۱۔ ایضاً
۲۲۔ ایضاً، ص ۵۰
۲۳۔ ایضاً، ص ۹۲
۲۴۔ ایضاً، ص ۳۷

۲۵۔ خواجہ حسن نظامی (مترجم)، پرانی دہلی کے حالات، ص ۳۸

۲۶۔ ایضاً، ص ۳۹

۲۷۔ ایضاً، ص ۴۰

۲۸۔ خواجہ عبدالحمید یزدانی (مترجم و مرتب)، مرقع دہلی، ص ۸۱

۲۹۔ خواجہ حسن نظامی (مترجم)، پرانی دہلی کے حالات، ص ۹۴

مآخذ:

۱۔ انجم، خلیق (مرتب و مترجم)۔ مرقع دہلی، نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو (ہند)، ۱۹۹۳ء۔

۲۔ تمنا اورنگ آبادی، اسد علی خاں۔ گل عجائب، اورنگ آباد دکن: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۳۶ء۔

۳۔ حسن نظامی، خواجہ (مترجم)۔ پرانی دہلی کے حالات (ترجمہ و تلخیص مرقع دہلی)، دہلی: محبوب المطابع برقی پریس، ۱۹۴۹ء۔

۴۔ عبدالحمید یزدانی، خواجہ (مترجم و مرتب)۔ مرقع دہلی، لاہور: الفا برادرز، ۱۹۸۸ء۔

☆☆☆